ڈاکٹر تصدق حسین
شعبۂ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

شاہ ولی اللہ کی اخلاقیات

مقالہ نگار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بڑے ہونہار نوجوان ہیں۔ انھوں نے ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مصری) کی طرح نابینا ہونے کے باوجود فلسفہ میں ایم اے کیا اور شروع سے آخر تک ہر امتحان میں فرسٹ ڈویژن حاصل کرتے رہے۔ ایم۔ اے کے بعد شاہ ولی اللہ الدہلوی کے فلسفہ پر ایک اعلیٰ تحقیقاتی ...... مقالہ شعبۂ فلسفہ کے ماتحت لکھ کر یونیورسٹی سے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری لی اور اب چند ماہ سے اسی شعبۂ میں لیکچرر مقرر ہوئے ہیں۔ آدمی نہایت ذہین ہیں، حافظہ بہت اچھا اور علمی و تحقیقی ذوق پختہ ہے، امید قوی ہے کہ اگر ان کو اپنے حوصلہ اور ذوق کے مطابق کام کرنے کی سہولتیں میسر آئیں تو یہ علم تحقیق کی دنیا میں بڑا نام پیدا کریں گے۔ موصوف میرے بھی شاگرد رہے ہیں اور مجھ سے ربط خاص کے باعث اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔ میری تحریص و ترغیب سے انھوں نے اردو میں لکھنا شروع کیا ہے؟ یہ حضرت شاہ صاحب پر ان کا دوسرا مقالہ ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب کے مابعد الطبیعیات پر ان کا مقالہ آئے گا۔

ایڈیٹر

اسلام سے قبل عرب میں بلند ہمتی اور فیاضی کو ہی نیکی خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لوگ اور کسی اخلاقی قدر سے واقف نہ تھے۔ قتل و غارت گری چونکہ بہادری کا عمل تھا اس لئے سعید سمجھا جاتا تھا۔ نیز ان کی اخلاقیات محض کھاؤ پیو اور خوش رہو پر مبنی تھی۔ اسلام نے ان کی زندگی کو یکسر بدل دیا۔ جہالت کا خاتمہ کیا اور ان کو نیک اور صحیح راہ پر چلنے کا سبق سکھایا۔ وہ تمام برائیاں جو ان کی زندگی کا جز بن چکی تھیں ختم ہوگئیں قرآن نے انھیں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔

پروفیسر مارگولیتھ (PROF-MARGOLIOUTH) کا خیال ہے کہ قرآن کریم نے مسلمانوں میں دو خوبیاں پیدا کیں یعنی (۱) بلند ہمتی اور (۲) نظم و نسق۔ صحیح نہیں اس لئے کہ قرآن کریم کے معمولی مطالعہ سے بھی ایسے بہت سے حوالے جمع کئے جا سکتے ہیں جن میں ان کے علاوہ دیگر اخلاقی اقدار کا تذکرہ ہے۔[۱]

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا[۲]

والدین قریبی رشتہ داروں، یتیموں مسکینوں ضرورت مندوں، پڑوسیوں ہمسفروں راہ گیروں اور کنیزوں کے ساتھ نیکی کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[۳]

بے شک خدا انصاف کرنے نیکی کرنے اور رشتہ داروں کو تحائف دینے کا حکم کرتا ہے اور برائی غلط کاری اور ظلم سے منع کرتا ہے

(۱) UMAR UDDIN, M.) THE ETHICAL PHILOSOPHY OF AL GHAZZALI. ALIGASH - 1962

[۲] قرآن مجید سورۃ ۴ آیت ۳۶

[۳] قرآن مجید سورۃ ۱۶ آیت ۹۰

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ؀۴

جو خوشحالی اور کامیابی میں خیرات کرتے ہیں جو غصہ پر قابو رکھتے ہیں اور دوسروں کو معاف کرتے ہیں خدا ان نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَانۡہَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَاۤ اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ؀۵

نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو جو کچھ گزرے صبر سے برداشت کرو یہ تمہارا فرض ہے

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ؀۶

سب عقیدتمند بھائی ہیں لہذا بھائیوں کے درمیان امن رکھو۔

وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَالۡمِسۡکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِیۡرًا ۔ وَلَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبۡسُطۡہَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ؀۷

رشتہ دار، ضرورتمند اور راہ گیر کو اس کا حق دو فضول خرچ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اپنے ہاتھ نہ تو قطعی باندھ لو اور نہ اتنے وسیع کرو کہ پھر بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّاُنۡثٰی وَجَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؀۸

اے لوگو! ہم نے تم کو پیدا کیا مرد اور عورت سے اور ہم نے تمھیں گروہ گروہ اور خاندان خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو! یقیناً تم میں عزت والا سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے۔

---

۴ قرآن مجید سورہ ۳ آیت ۱۳۴

۵ " " ۳۱ " ۱۷

۶ " " ۴۹ " ۱۰

۷ " " ۱۷ " ۲۶، ۲۹

۸ " " ۴۹ " ۱۳

غرضیکہ قرآن میں بہت سی نیکیوں کا ذکر ہے والدین رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق، انصاف پسندی پرہیزگاری شرم وحیا، ہمت وحوصلہ مندی خواہشات وجذبات کی مناسب نگہداشت اور اس قسم کی دوسری تمام نیکیوں کا جابجا بیان موجود ہے۔ ان حوالہ جات سے پروفیسر مارگولیتھ کے خیال کی قطعی تردید ہو جاتی ہے۔

قرآن کی اخلاقیات کی بنیاد سیرت محمدی ﷺ پر ہے اور سیرت محمدیؐ مثالی کردار پر مبنی ہے رسول اکرمؐ کی زندگی میں کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو اخلاقی معیار پر پورا نہ اترتا ہو آپ کی زندگی تمام احکامات ربانی کی تشریح ہے جس میں کردار کی تشکیل پر بالخصوص زور دیا گیا ہے قرآن میں رسول اکرمؐ کو خطاب کر کے کہا گیا ہے "ہم نے آپ کو مثالی کردار بنا کر بھیجا ہے" ۹ھ اسی کی شرح اس حدیث سے ہوتی ہے۔ " رسول اکرم نے فرمایا مجھے اخلاق درست کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے" ۱۰ھ کسی نے آپ سے پوچھا مذہب کیا ہے؟" آپ نے فرمایا اچھا کردار" ۱۱ھ تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے اس نے جو اخلاقی نظام پیش کیا اس سے عرب جیسے بدو قوم کا کردار درست ہو گیا رسول اللہ نے اپنے عمل سے اچھے کردار کے معنی بخوبی طور سے واضح کر دیئے۔ زندگی میں ایک شخص کی بہت سی حیثیتیں ہوتی ہیں وہ باپ ہوتا ہے، بیٹا ہوتا ہے، باپ ہوتا ہے، شہری ہوتا ہے اور رہنما ہوتا ہے۔ اچھے کردار کے معنی ہیں کہ وہ ان تمام حیثیتوں سے صحیح کردار کا نمونہ پیش کرے۔ رسول اکرمؐ نے ایسا ہی نمونہ پیش کیا ہے۔

گو کہ اسلامی اخلاقیات کے بنیادی اصول قرآن میں موجود ہیں لیکن اس کو علم کی حیثیت اس وقت حاصل ہوئی جب مسلمانوں نے یونانی فلسفے کا مطالعہ کیا۔ یہ بات صرف اخلاقیات تک محدود نہیں، دراصل اسلامی فلسفہ کی تاریخ بھی یونانی فلسفہ کے مطالعہ سے ہی شروع ہوئی

۸ھ قرآن سورہ ۴۹ آیت ۱۳ ۹ھ UMAYUDDUI, M, THE ETHICALFHIPSOFHY AL GHAZZALI

1962 ، ALIGASH ۱۰ھ قرآن سورہ ۶۸ آیت ۴ ۱۱ھ الغزالی احیاء العلوم جلد سوم ص۴۳

HtUMAYUb, M THE ETHCAL FHILDSOPHY OF PL GHAZZHLI 1962 P. 44

الغزالی احیاء العلوم جلد سوم ص۴۳

ہے ۔ رسول اکرمؐ کے زمانے میں جو مسئلہ مسلمانوں کے سامنے آتا اس کی تشریح رسول اللہ کے ذریعہ کر دی جاتی ۔ آپ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں بھی مسلمانوں کو مسائل کے حل میں کوئی پریشانی نہ ہوتی ۔ اس وقت تک صحابہ کرامؓ نے جو کچھ رسول اللہؐ سے سنا تھا یا جس طرح دیکھا تھا اس طرح اس کی روشنی میں حل پیش کر دیا کرتے تھے ۔ لیکن اس کے بعد یہ صورتحال باقی نہ رہی جو مسائل مسلمانوں کے ذہن میں آتے وہ خود ہی ان پر غور و فکر کرتے ۔ اس کے علاوہ خلافت راشدہ میں اسلام عربی حدود سے باہر نکلا ۔ بہت سے عیسائیوں، مجوسیوں، یہودیوں اور دیگر قوموں نے اسلام قبول کیا ۔ یہ نومسلم اپنے ساتھ اپنے آبائی مذہب کی روایات بھی لائے اور ان کو اسلامی نظام میں غلط ملط کرنے کی کوشش کی ۔ نیز اسلام کا بڑھتا ہوا اثر دیکھ کر غیر مسلموں نے اسلام پر قلم کے ذریعہ ضرب لگانے کی کوشش کی ۔ لہذا عباسی خلیفہ مہدی کے زمانے میں ابوالحسن حنبل الاَلّاف نے پہلی کتاب لکھی ۔ جس میں عقلی دلائل کے ذریعہ اسلام پر اٹھائے ہوئے اعتراضات کا جواب دیا ۔ مسلم علماء نے اس کار خیر کو انجام دینے کے لئے یونانی فلسفہ کو پڑھا اور اسی کے مطابق اعتراضات کا جواب دیا اس طرح اسلام میں علم الکلام کی بنیاد پڑی ۔ بایں صورت اسلامی فلسفہ یونانی فلسفہ کی بنیاد پر شروع ہوا نہ صرف یہ بلکہ تقریباً تمام اسلامی علوم جن میں اخلاقیات بھی شامل ہے کی بنیاد یونانی فلسفہ ہی گیا[۱۲]

مسلمانوں میں پہلا اخلاقی مفکر ابن مسکویہ ہے اس سے قبل کندی ۔ فارابی اور ابن سینا اخلاقیات کو سیاسیات کا حصہ سمجھتے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ یونانی فلسفہ میں بھی مشائین اور مستشرقین اخلاقیات کو سیاسیات کا حصہ سمجھتے تھے گو کہ پارفیرو اور گیلن کی ارسطو پر لکھی کتاب پر شرح شائع ہو چکی تھی لیکن مسلم مفکرین نے ابن مسکویہ سے قبل علم الاخلاق پر توجہ نہیں دی[۱۳]

ابن مسکویہ پہلا فلسفی ہے جس نے اخلاقیات پر باقاعدہ توجہ دی وہ اپنی کتاب تہذیب الاخلاق میں روح کی فطرت سے بحث کرتا ہے جو اپنے وجود کا شعور رکھتی ہے جو باعتبار ذات قدسی ہے ۔

---

۱۲ علامہ شبلی نعمانی ۔ الکلام ص ۳۵-۱۰۳

۱۳ " " " ص ۴۶-۴۵

روح حسی، تصوراتی اور قدسی علم کی حامل ہوتی ہے۔ نیز یہ علوم عقلیہ سے بھی ممیز ہوتی ہے عقل انسان کو کامل بناتی ہے لیکن ہر شخص اس کمال کو نہیں پہنچتا۔ یہ صرف انہی لوگوں کا حصہ ہے جو فطری طور پر نیک پیدا ہوتا ہے، مسکویہ کے خیال کے مطابق کچھ لوگ فطری طور پر نیک، کچھ بد اور کچھ نہ نیک نہ بد پیدا ہوتے ہیں۔ ماحول اور تربیت سے ان کے کردار کی تشکیل کی جاسکتی ہے وہ نیکی (GODD) کی بہت سی قسمیں بناتا ہے مکمل نیکی (SBSOLUTE GOOD) سب میں افضل ہے تمام نیکیاں مکمل نیکی کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ جو اس انسان کو اس نیکی کے حصول سے روکتے ہیں لیکن اس میں ارادے کی استعداد ہوتی ہے جو اس نیکی و بدی میں تمیز کرتی ہے اور جو اس کے اثر کو ختم کرتی ہے اس کے علاوہ انسان میں ۳ اور قوتیں ہوتی ہیں شہوہ (APPILIFION) غضبیہ (ANGER) اور عقل (INTEPPEET) جو اس کے اندر ۳ اجزاء سے وجود میں آتی ہیں یعنی بہیمیت (BEAGTLY) غضبیہ FEAOCIOUS اور عقلیت (RATIONAL) اگر یہ اجزاء متوازن ہوتے ہیں تو انسان میں چار نیکیاں پیدا ہو جاتی ہیں ہمت (CORRNAGE) اعتدال (TEMPERANCE) عقل (WISDOM) ZUSFiee اور عدالت۔

عقل (INTELLAEET) میں دو استعدادیں ہوتی ہیں:- ایک عملی اور دوسری نظریاتی عملی استعداد کے ذریعہ انسان کامل کردار کی تشکیل کرتا ہے اس کا کام اچھے اور برے میں تمیز کرنا ہے۔ تکمیل انسان کا کردار ہے اور وہی اس کے لئے سب سے اعلیٰ ہے مسرت مسکویہ کی اخلاقیات میں یونانی بالخصوص فلاطینی اور اسلامی اخلاقیات کے عناصر موجود ہیں [۲۳]

اسلامی اخلاقیات کی تاریخ میں دوسرا بڑا نام غزالی کا ہے جنہوں نے اخلاقیات پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ان سے خاص طور پر احیاء العلوم اور المیزان بالخصوص اخلاقیات ہی سے بحث کرتی ہیں۔ تہذیب الاخلاق جو کہ احیاء کا ایک حصہ ہے ابواب کے تقسیم و عنوان کے اعتبار سے مسکویہ کی کتاب

---

۲۳ علامہ شبلی نعمانی، الکلام ص ۴۵، ۴۶

۲۴ UMAP UDDiL, M.) THE ETHiCAL PHILOSGPHY OF AL GHAZZALI ALiGARh 1962 P.P 47-48

ANSARI, ABDUL HO "The CON Ce T OF SAAPH

سے ملتی ہے۔ یہاں غزالی نے بنیادی اعتبار سے انہیں مسائل پر اظہار خیال کیا ہے جن پر اس سے قبل مسکویہ لکھ چکا ہے۔ کردار اور اس کی تکمیل بہیمیت، غضبیہ اور عقلیت کا بیان اور شہوہ، غضبیہ اور عقل کا بیان وغیرہ مسکویہ کے بیان کے مطابق ہے[15] ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے المنقذ میں لکھا ہے کہ " میں نے جو کچھ لکھا میری فکر کا نتیجہ ہے۔ مجھے مذہب اور صوفیاء کی کتابوں سے یہ مواد فراہم ہوا ہے لوگوں کا خیال غلط ہے کہ میں نے یونانی اساتذہ سے خیالات چرائے ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ کچھ چیزیں ملتی جلتی ہیں"[16] اسی سے واضح ہوتا ہے کہ غزالی نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی بنیاد مذہب اسلام، کتب صوفیاء اور ان کی اپنی فکر ہے۔

غزالی کے بعد اسلامی اخلاقیات کی تاریخ میں شاہ ولی اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا اور بڑا نام نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ زیادہ تر صوفیاء کے یہاں اخلاقی تعلیمات موجود ہیں لیکن ان سے باضابطہ اخلاقیات تعمیر نہیں کی جا سکتیں شاہ ولی اللہ نے اپنی مختلف کتابوں میں اخلاقی مسائل سے بحث کی ہے ان سے بالخصوص حجت اللہ البالغہ ہے۔

افلاطون، ارسطو، مسکویہ، فارابی اور غزالی وغیرہ کی طرح شاہ ولی اللہ کی اخلاقیات کی بنیاد بھی مابعد الطبیعیات پر ہے، نیز یہ کہ ان کی اخلاقیات نوعیت کے اعتبار سے متصوفانہ ہے اس کا تصوف پر مبنی ہونا اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ شاہ ولی اللہ بنیادی اعتبار سے خود صوفی تھے۔

اخلاقیات خیر و شر کا علم ہے لہذا اس نوعیت کے اعتبار سے شاہ ولی اللہ اس کا آغاز خیر کی تعریف سے کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں تمام مخلوقات خواہ وہ جاندار ہوں یا غیر جاندار، اپنے اندر کچھ کمالات رکھتی ہیں۔ یہ کمالات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو ہر مخلوق کی نوع میں شامل ہوتے ہیں۔ انھیں کمالات نوعی کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جنہیں حاصل کیا جاتا ہے حاصل شدہ کمالات صرف انسان کا حصہ ہوتے ہیں۔ ان کمالات کی بنیاد پر خیر کا تعین کیا جاتا ہے[17]

15- UMHRUDDIN, M., THE ATHICAL PHILOSOPHY OF AL-GHAZZALI, ALIGARH, 1962. P.P-49

16- ALGHAZZALI, "AL-MUNQIDH MIN AD DALAL P. 1-2 CLOUD FIELD

17- شاہ ولی اللہ حجت اللہ البالغہ۔ مترجم عبدالحق ہزاروی لاہور ص ۸۹ تا ۹۳

کمالات نوعی تمام مخلوق میں مشترک ہوتے ہیں لیکن اس اشتراک میں مخلوق کی فطرت کو دخل ہوتا ہے کچھ کمالات ایسے ہوتے ہیں جو انسان وحیوان میں مشترک ہوتے ہیں اور کچھ جمادات وحیوانات و انسان میں مشترک ہوتے ہیں، مثلاً بلندی ہر مخلوق میں مشترک ہے۔ ان اشتراکی کمالات کو خیر نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ نوعی ہوتے ہیں اور شے کے ارادے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا نیز یہ کہ اگر انہیں خیر خیال کیا جائے تو ہر شے میں بہ اعتبار فطرت خیر موجود ہوگی۔ مثلاً! بلندی کو اگر ہم خیر تسلیم کریں تو پہاڑ میں سب سے زیادہ خیر ہوگی جبکہ امر صحیح ہے کہ پہاڑ کا خیر سے کوئی تعلق نہیں۔ حاصل شدہ کمالات میں سے کچھ نوعی ہوتے ہیں لیکن ان کا اظہار موقع و محل پر ہوتا ہے۔ مثلاً ہمت و حوصلہ حیوانات و انسان میں مشترک ہے وقت ضرورت اس کا اظہار کیا جاتا ہے اس کا شمار حاصل شدہ کمالات میں اس لئے کیا جاتا ہے کیونکہ یہ پوشیدہ صلاحیت کی صورت میں انس وحیوانات میں موجود ہوتی ہیں۔ اور جو اس صلاحیت سے آگاہ ہو جاتا ہے اسے استعمال کرتا ہے اس آگاہی میں اس کی ذات کو دخل ہوتا ہے لہذا یہ آگاہی حصول ہے حاصل شدہ کمال ہونے کے باوجود ہمت وحوصلہ مندی حقیقی سعادت نہیں اس قسم کے کمالات کو شاہ ولی اللہ جزوی سعادت کہتے ہیں۔ حقیقی سعادت وہ کمالات ہیں جن کا حصول صرف انسان ہی کے لئے ممکن ہے۔ دیگر مخلوقات پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا انکے حصول میں انسان کی عقل معاون ہوتی ہے اور حسن و قبح عمل پر مبنی ہوتے ہیں اس کے مطابق شاہ ولی اللہ عمل کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں۔ ایک دنیاوی عمل اور دوسرا دینی عمل۔ اول الذکر کا تعلق دنیاوی امور سے ہوتا ہے اور مؤخر الذکر کا دینی امور سے، دنیاوی امور سے متعلق عمل اس لئے حقیقی نہیں ہوتا کیونکہ ان میں سے بہت سے اعمال کا تعلق بہیمیت سے ہوتا ہے دینی امور سے متعلق عمل حقیقی سعادت اس لئے ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق ملکی رجحانات سے ہوتا ہے یہ اعمال عبادت و استغفار ہیں[۱۸]

ان اعمال کو اختیار کرنے کے لئے بہیمیت کا کمزور ہونا ناگزیر ہے انسانی فطرت کے مطالعہ کے تحت شاہ ولی اللہ بہیمیت کے قطعی خاتمہ کی تلقین نہیں کرتے وہ اس کو کمزور کرنے اور قابو میں رکھنے کی نصیحت کرتے ہیں وہ اشراقی فلسفیوں سے متفق نہیں جو بہیمیت کے قطعی خاتمہ میں یقین رکھتے ہیں شاہ ولی اللہ

۱۸؎ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ (مترجم) عبدالحق ہزاروی لاہور ص ۹۵

کا خیال نفسیاتی اعتبار سے زیادہ صحیح ہے انسانی کمزوریاں جن کا بہیمیت سے تعلق ہوتا ہے ختم نہیں ہوسکتیں، قابو میں رکھی جاسکتی ہیں۔ یہی بہیمیت پر نگہداشت ملکی قوت کے ذریعہ ہی رکھی جاسکتی ہے اس کے لئے ملکی قویٰ کی تربیت کی ضرورت ہے [۱۹]

ملکی قویٰ کے عادی ہونے کی صورت میں انسان قدسی امور کی طرف مائل ہوگا اور وہ اعمال کرے گا جن سے ان امور کی تکمیل میں مدد ملتی ہے اس طرح وہ حقیقی سعادت کا حامل ہوگا۔ شاہ ولی اللہ کے خیال میں سعادت کسی عمل کو اتفاقیہ طور پر کرنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا ہے نیز یہ کہ اس عمل کا تعلق قدسی امور سے رہنا چاہیئے بہیمیت کے کمزور ہونے کے بعد وہ ان اعمال کی طرف راغب ہوتا ہے اور پھر ان کا عادی ہوجاتا ہے۔ عادت کے سبب اس کے اندر چار بنیادی نیکیاں پیدا ہوجاتی ہیں جو طہارت عجز، سماحت اور عدالت ہیں [۲۰]

طہارت کا تعلق صفائی سے ہوتا ہے صفائی دو سطحوں پر ہوتی ہے ایک جسمانی اور دوسری قلبی جسمانی صفائی کے لئے سالک غسل کرتا ہے طرح طرح کی خوشبوئیں بھی استعمال کرتا ہے۔ صاف لباس پہنتا ہے اور بار بار وضو کرتا ہے قلب کی صفائی کا انحصار روح پر ہوتا ہے روح اس صورت میں پاک ہوتی ہے جبکہ اس کے اندر پوشیدہ طہارت جو ودیعت کی گئی ہے نمایاں ہوجاتی ہے بعد ازاں قلب بھی صاف ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تزکیہ روح وقلب ذکر و اذکار سے بھی ہوتا ہے سالک کو اسماءِ حسنیٰ کی بار بار تلاوت کرنی چاہیئے اللہ کا ذکر چاہیئے اور عبادت میں مشغول رہنا چاہیئے نیز اصول شرع پر عمل کرنا چاہیئے ان اعمال کے بغیر طہارتِ نفس وقلب ناممکن ہے مطہر ہونے کے بعد سالک کو ملائکہ کی دید ہوتی ہے وہ خوش کن خواب دیکھتا ہے اور ان میں اسے نیک روحوں کا مشاہدہ ہوتا ہے طہارت کا عدم حدث ہوتا ہے جسمانی اور اندرونی حدث روح وقلب کو پراگندہ کردیتا ہے ایسے انسان کی روح وقلب تجلیات ربانی سے محروم ہوجاتے ہیں ناپاک شخص شیطانی عنصر کا حامل ہوتا ہے وہ بُرے خواب دیکھتا ہے اور خوف وہراس کے عالم میں رہتا ہے۔ طاہر شخص حدث میں اضطراب محسوس

---

[۱۹] شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ مترجم

[۲۰] " " "

کرتا ہے طہارت اس کی فطرت بن جاتی ہے اور وہ اس کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا[۲۱]

عجز بھی بنیادی نیکیوں میں سے ایک ہے اس کا اظہار خوشحالی کے دور میں ہوتا ہے خوشحال شخص دولت وثروت کے باوجود اگر خود کو عاجز محسوس کرتا ہے تو یہ سعادت ہے اسے خدا کے حضور اسی طرح عجز وانکسار محسوس کرنا چاہیئے جس طرح وہ بادشاہ کے سامنے کرتا ہے عجز وانکساری سے اسے فرشتوں کا قرب حاصل ہوتا ہے[۲۲]

شاہ ولی اللہ جب کبھی قرب کی بات کرتے ہیں اسے فرشتوں کو محدود رکھتے ہیں اس سے دو نتیجے اخذ کئے جا سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ خدا کے قرب کو سالک کے لئے ناممکن سمجھتے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ خدا کی تنزیہہ میں مکمل یقین رکھتے ہیں اور اس کے باعث خدا کے قرب کو ہر ایک کے لئے ممکن نہیں سمجھتے، ہمارے خیال میں یہی نتیجہ درست ہے اور قرب الٰہی کے قائل تو ضرور ہیں لیکن اسے معدودے چند کا حصہ سمجھتے ہیں اور صحیح بھی ہے اس لئے کہ اللہ کا قرب راہ سلوک کی آخری منزل ہے جس پر کم صوفی پہونچتے ہیں اور جو اسے حاصل کرلیتے ہیں وہ عالم سکر میں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں خدا و بندے کے درمیان امتیاز نہیں رہتا۔ صحو کا مقام حاصل کرنے پر یہ فرق پھر سے نمایاں ہوجاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ شاہ ولی اللہ وحدت الوجود کو سکر کا مقام سمجھتے ہیں اور وحدت الشہود کو صحو کا۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے اسلام مکمل طور پر تارک الدنیا ہونے سے روکتا ہے لیکن مکمل پر وہ دنیا میں محو ہوجانے کو بھی پسند نہیں کرتا لہذا زیادہ تر صوفیاء سماحت کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں سہروردیوں کے علاوہ صوفیوں کے دیگر سلسلوں نے خود کو سیاست سے الگ رکھا گو کہ انھوں نے دنیاوی زندگی سے احتراز نہیں کیا تاہم دنیاوی معاملات سے دلچسپی بھی نہیں رکھی شاہ ولی اللہ بھی اسی قسم کی سماحت کو نیکی خیال کرتے ہیں[۲۳]

سماحت کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا یہ حصول علم میں معاون ثابت ہوتی ہے اس ضمن

۲۱ء شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ مترجم ص ۲۰۰

۲۲ء " " " ص ۱۰۱

۲۳ء " " " "

میں غزالی کی مثال دی جاسکتی ہے جو مدرسہ نظامیہ بغداد میں کچھ دن درس دینے کے بعد حصول علم کے لئے کچھ عرصہ کے لئے تارک الدنیا ہوگئے جستجوئے علم سے مطمئن ہونے کے بعد وہ پھر بغداد لوٹے اور اسی مدرسہ میں درس وتدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا بایں صورت سماحت ان کے لئے حصول علم کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے[۲۴] صوفیاء کے علاوہ دیگر مذاہب کے سنتوں نے بھی سماحت کو حصول علم کا ذریعہ بنایا مثلاً ! بدھا کو اسی ذریعہ سے ہی گیان حاصل ہوا[۲۵]

عدالت کی سعادت کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔ ان امور کو رضائے خداوندی کے مطابق انجام دیا جانا چاہیئے اپنے ارادہ سے آگاہ کرنے کے لئے خدا ان امور کا علم بذریعہ ملائکہ نازل کرتا ہے۔ یہ نزول ہر شخص پر نہیں ہوتا صرف انھیں لوگوں پر ہوتا ہے جو انتظامی صلاحیتیں رکھتے ہیں نیز یہ کہ خدا اپنے پیغام کو پیغمبروں کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ عدالت کے معنی یہ ہیں کہ منتظم احکام الہٰی کے اعتبار سے نظام چلائے۔ شاہ ولی اللہ یہاں افلاطون سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ وہ عدالت کو اعلیٰ ترین سعادت سمجھتا ہے اور صرف فلسفیوں کو ہی اس کا متحمل قرار دیتا ہے۔ لہذا اسی کو شہنشاہیت کے منصب پر مناسب سمجھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صرف فلسفی کو ہی عدالت کا متحمل نہیں سمجھتے نیز عدالت کو وہ اعلیٰ ترین نیکیوں میں سے ایک خیال کرتے ہیں اسی کو اعلیٰ ترین نہیں سمجھتے[۲۶]

افلاطون کے تاثر کے یہ معنیٰ نہیں کہ اسلام عدالت کی سعادت سے بحث نہیں کرتا اس کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے اور اسلامی فلسفہ سے بھی۔ اپنی کتاب احیاء العلوم میں بھی غزالی نے عدالت پر بحث کی ہے اور اسے اعلیٰ ترین نیکیوں میں تسلیم کیا ہے[۲۷]

۲۴۔ UMARUDDIN, M, "THE ETHICAL PHILOSOPHY OF GHAZZALI, ALIGARH, 1962 P.P 5076 -60- ۲۵ KRISHAN, RADAHER INDIAN PHILOSOFHY LONDON, 1962, PP 589 600 60E

۲۶ شاہ ولی اللہ، حجت اللہ البالغہ لاہور ص۱۰۷ PLATO, "REPUBLIC"

TR BLOOM, A., NEW YORK, 1968 P.P 330D, 354.C) 357 8. (SEE IMDEN ON PAGA 482, UMARUDDIN, M-, "THE ETHICAL PHILOSOFHY OF AL GHAZZALI, ALIGARH 1962- P - 144

اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ کچھ اور نیکیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ تمام نیکیاں اسلامی نظام اخلاق میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان سے ایک عقیدۂ توحید ہے اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان ہی نہیں ہوسکتا جب وہ اسلام کا سبق پڑھتا ہے تو سب سے پہلے وہ توحید کا اقرار کرتا ہے اس کی تصدیق کلمۂ طیبہ سے ہوجاتی ہے جس میں اللہ کی وحدانیت اور معبودیت کا اقرار کیا جاتا ہے شاہ ولی اللہ توحید کے تین مقامات بتاتے ہیں یعنی پہلا مقام وجودی ہے جس کے تحت یقین کیا جاتا ہے کہ وہ وجود صرف ایک ہے اور وہی کائنات میں جاری وساری ہے دوسرے مقام پر یقین کیا جاتا ہے کہ خدا اس کائنات کا واحد مصوّر ہے۔ غزالی نے بھی توحید کے تین مقامات بتائے ہیں جن کا تعین اقرار کی نوعیت سے ہوتا ہے [۲۸]

دوسری نیکی اللہ کی صفات میں عقیدہ ہے، ذات وصفات، اسلامی فلسفہ میں متنازعہ فیہ مسئلہ رہا ہے۔ بعض مکاتب ذات وصفات کو یکساں مانتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ذات وصفات نہ یکساں ہیں اور نہ ایک دوسرے سے علیٰحدہ۔ ذات وصفات کی بنیاد پر ایک گروہ نے خدا کو مجسم ومشبہ خیال کیا۔ شاہ ولی اللہ ان میں سے کسی مکتب خیال کی پیروی نہیں کرتے، وہ صفات کو تشبیہات سمجھتے ہیں اور ان کی تفہیم کے شعور وادراک سے کام لینے کی تلقین کرتے ہیں۔ نیز وہ صفات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے حصہ میں وہ صفات شامل ہیں جن کا ادراک ہونا لازمی ہے دوسرے حصے میں وہ صفات ہیں جن پر سوچنے کی شریعت اجازت دیتی ہے اور تیسرے حصہ میں وہ صفات ہیں جن پر سوچنے کو شریعت نے منع کیا ہے۔ سمیع، بصیر، علیم پہلے حصہ کی صفات ہیں۔ خوشی اور فرحت خدا سے منسوب کی جاسکتی ہیں اور دوسرے حصہ کی صفات۔ غم واندوہ تیسرے حصہ کی صفات ہیں۔ جن کا خدا پر اطلاق نہیں ہوتا لہذا اس قسم کے خیالات پر شریعت پابندی لگاتی ہے" شاہ ولی اللہ عام لوگوں کی استعداد سے واقف ہیں۔ لہذا وہ انہیں ذات وصفات کے مسئلہ پر ابہام اور ادراک سے روکتے ہیں تاہم مکمل وپختہ عقیدہ کی تلقین کرتے ہیں [۲۹]

---

۲۹ ؎ شاہ ولی اللہ حجت اللہ البالغہ۔ لاہور ص۱۲۳، ۱۲۴

شاہ ولی اللہ تقدیر کو بھی اہم نیکی سمجھتے ہیں اس پر عقیدہ رکھنا بھی مسلمان کا فرض خیال کرتے ہیں ان کے خیال میں تقدیر ازل سے ہی ودیعت کردی جاتی ہے۔ اس کے پانچ مقامات ہوتے ہیں۔ پہلا مقام صورت کا ہے جس پر عالم امثال میں تخلیق ہونے والی شے کی شکل خلق کی جاتی ہے۔ دوسرا مقام اعداد کا ہے جس پر شے کے اعداد کا تعین ہوتا ہے۔ تیسرا مقام آدم اور اولاد آدم کی تخلیق ہے اور چوتھا مقام روح ڈالنے کا ہے۔ پانچواں مقام عالم جبروت میں ہونے والے واقعات کو عالم ملکوت میں ودیعت کرنا ہے قضاء وقدر کے اس عقیدے کے تحت نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ جبر کے قائل ہیں جس کے تحت سب سے پہلے ہی سے مقدر کر دیا جاتا ہے۔ لیکن شاہ ولی اللہ ارادے کو تقدیر سے الگ خیال کرتے ہیں اور انسان کو اسی کی بنیاد پر اس کے اعمال کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ جبر وقدر پر ان کے خیالات اشاعرہ سے مطابقت رکھتے ہیں شاہ ولی اللہ بھی ان لوگوں کی طرح خدا کو تمام اعمال کا خالق تسلیم کرتے ہیں لیکن عمل کرنا انسان کے ارادے پر مبنی ہے لہذا وہ ان اعمال کی تکمیل کا ذمہ دار ہے ارادے میں انسان آزاد ہے لیکن اس کی یہ آزادی مکمل آزادی نہیں گویا وہ کسی حد تک جبر اور کسی حد تک قدر کے قائل ہیں ۳۹ء

عبادت بھی ان کے خیال میں عظیم نیکی ہے۔ ان کا یہ عقیدہ مکمل طور پر اسلامی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر مسلم مفکرین بھی عبادت کی اہمیت کے قائل ہیں نیز اس مصلحت کے بھی قائل ہیں جس کے تحت انسان پر بندگی واجب ہے۔ شاہ ولی اللہ عبادت کو شریعت کے تزکیہ کے لئے ضروری سمجھتے ہیں نیز بہیمیت کو قابو میں رکھنے اور شریعت پر عمل کرنے کے لئے بھی عبادت لازمی ہے بایں صورت شاہ ولی اللہ کی اخلاقیات

۳۹ء شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ لاہور ص ۱۲۳، ۱۲۴ UMAYUDDAI, M., "The ETHI CAL PHILOSOFHY OF ALGHAZZALI, ALIGARH, 1962 P.P 1-7-1-8

۴۰ء شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ لاہور ص ۱۲۵ تا ۱۳۰

ہیں وہ تمام نیکیاں شامل ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے ان پر عمل کرنا صرف صوفیاء کے لئے ہی نہیں عام انسان کے لئے بھی ضروری ہے۔ ان نیکیوں کے علاوہ شاہ ولی اللہ روزہ، نماز، حج، زکوۃ، جہاد، غسل اور وضو وغیرہ کی نیکیاں بھی بیان کرتے ہیں اور ان مصلحتوں کا ذکر کرتے ہیں جو ان میں پوشیدہ ہیں [۳۱]

برائی کے بیان میں شاہ ولی اللہ شرک پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ وہ اس کو سب سے بڑی برائی سمجھتے ہیں اور اس کو دور کرنا لازمی خیال کرتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام سامی مذاہب جن پر اسلام بھی شامل ہے اس برائی پر خصوصی توجہ دیتے ہیں اور سماج سے ایسی برائی کو یکسر ختم کردینا چاہتے ہیں لیکن اسلام کے علاوہ باقی مذاہب تحریف کے سبب اس برائی کا خاتمہ نہ کرسکے۔ عیسائیت میں جس کا شاہ ولی اللہ نے جابجا ذکر کیا ہے آج بھی شرک موجود ہے گو کہ عیسائی توحید کے داعی ہیں لیکن ان کا یہ دعوی اس لئے درست نہیں خیال کیا جاسکتا کیونکہ وہ توحید ثلاثہ کے قائل ہیں ان کے مطابق عیسیٰ نہ صرف پیغمبر ہیں بلکہ خدا کے بیٹے ہیں، اس طرح انہیں فرزند خیال کرکے انہیں ربوبیت میں شامل کرلیتے ہیں اور یہ شرک ہے نیز ان کے خیال کے مطابق روح بھی ربوبیت کا ایک حصہ ہے اسلامی عقیدے کے مطابق یہ شرک ہے لہذا شاہ ولی اللہ عیسائیوں کو مشرک خیال کرتے ہیں اس کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو بھی اسی گناہ کا مرتکب سمجھتے ہیں [۳۲]

گناہگار مسلمان اور غیر مسلم کا مرتبہ اسلامی فلسفہ میں اختلاف کی بنیاد رہا ہے اشاعرہ کا مکتب اسی سوال کی بنیاد پر معتزلہ سے الگ ہوا [۳۳] اس سوال پر شاہ ولی اللہ کا مسلک اشاعری ہے وہ گناہگار مسلمان کو غیر مسلم سے الگ سمجھتے ہیں۔ مسلمان ہونے کے باعث اس کا مرتبہ غیر مسلم سے بلند ہے۔ ان کے خیال میں گناہگار مسلم اپنے اعمال کی سزا پاکر نجات حاصل کرسکتا ہے لیکن غیر مسلم کے لئے یہ نجات ممکن نہیں [۳۴]

۳۱ـہ شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ ص ۱۴۴، ۱۴۵

۳۲ـہ " " " ص ۱۵۱

WATT. M. ISLAMIC FORMATIVE PERIOD OF ISLAMIC THOUGHT, EDINBURGH 1973, P. 209

۳۴ـہ شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ لاہور ص ۵۲، ۵۳

جزا و سزا کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ اشعری مسلک ہی اختیار کرتے ہیں ۔

خدا مختارِ کل ہے ، اس کے اختیارات کو محدود نہیں کیا جا سکتا ۔ لہذا معتزلہ کا یہ خیال کا کہ خدا کو نیکی کی جزا اور گناہ کی سزا دینا ہی غلط ہے اس میں اس کے اختیارات کو محدود نہیں کیا جا سکتا اشاعرہ کے خیال کے مطابق نیکی کی جزا اور گناہ کی سزا اس نے دینے کا وعدہ کیا ہے لیکن وہ اس کے برخلاف بھی کر سکتا ہے نیز شاہ ولی اللہ کا خیال ہے کہ جزا و فرحت و انبساط کے مترادف ہے جو نیکی سے حاصل ہوتی ہے اور سزا ذہنی کرب کے مترادف ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس میں انسان گناہ کے باعث ملوث ہوتا ہے نیز شاہ ولی اللہ سمجھتے ہیں کہ انسان فطری اعتبار سے نیک ہے اس کی ذات میں لطیفۂ نورانی مخفی ہے اگر وہ نیکی کرتا ہے تو اپنی فطرت کو مطمئن کرتا ہے اس لطیفہ کو جلا حاصل ہوتی ہے اور یہی اس کی جزا ہے ۔ بدی کرنے کی صورت میں وہ غیر فطری عمل کرتا ہے اور ذہنی کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ اس کی سزا ہے یعنی جزا فرحت و انبساط اور سزا کرب و بلا کے مترادف ہے نیز شاہ ولی اللہ کا خیال ہے کہ گناہ انسان کے کردار کو خراب کر دیتا ہے ۔ اس خرابی سے سماج میں پراگندگی ہوتی ہے جس کا اثر اس پر بھی پڑتا ہے بایں صورت جزا سماج کی خوشحالی اور سزا پراگندگی کے مترادف ہیں[۲۵]

شاہ ولی اللہ کی اخلاقیات بنیادی اعتبار سے (FORMALISTIC) ہے جس کے تحت نتیجہ پر نہیں مقصد یا نیت پر زور دیا جاتا ہے ۔ عام طور پر مذاہب میں اخلاقیات کی یہی شکل ہوتی ہے عیسائیت جن کی اخلاقیات میں دیگر نظریات بھی شامل ہو گئے ہیں دراصل اسی قسم کی اخلاقیات کی حامل ہے ہندو مت میں بھی یہ نظریۂ اخلاق بالخصوص گیتا میں موجود ہے اسلام بھی اسی نظریۂ اخلاق کی تائید کرتا ہے لیکن اسلامی نظریہ اخلاق میں صرف عیسائیت کی نرمی ہی نہیں شریعت موسوی کی سختی بھی موجود ہے اسلام مکمل عدل پر یقین رکھتا ہے اور عدل میں نرمی و سختی بہ اعتبار جز شامل ہیں نیز اسلام عیسائیت کی طرح انسان کو پیدائشی اعتبار سے گناہ گار نہیں سمجھتا بلکہ وہ بہ اعتبار فطرت نیک پیدا ہوتا ہے اس کا اثبات اس حدیث سے ہوتا ہے ۔

---

۲۵ حجۃ اللہ البالغہ ، شاہ ولی اللہ ، لاہور ص ۵۲ تا ۵۶

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ط

خدا کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں سب نے کہا! ہاں بیشک تو ہمارا پروردگار ہے ۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۔ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ [۳۶]

سو تو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھ وہی اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں یہی سیدھا دین ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ "ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں و باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح ہر جانور کا بچہ اصل میں صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے وہ کن کٹا نہیں پیدا ہوتا" [۳۷]

مختصراً اسلام کی اخلاقیات FORIMALISTIC ہونے کے باوجود دوسرے مذاہب سے مختلف ہے اسلام آخری مذہب ہونے کے باعث تمام نظریہ ہائے اخلاق کو اپنی اخلاقیات میں یکجا کر لیتا ہے اس میں فرحت و انبساط کو بھی اہمیت حاصل ہے اور عقل و وجدان کو بھی تاہم نیت پر یا مقصد پر خصوصی زور دیا گیا ہے اور اسی لئے اس کی اخلاقیات (FORIMALISTIC) ہے ۔

شاہ ولی اللہ کے اخلاقیات میں وہ تمام اجزاء موجود ہیں جو اسلامی اخلاقیات کا خاصہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ ایسے ہی اعمال کو نیکی خیال کرتے ہیں جن کا تعلق انسان کی فطرت سے ہے یہ عمل اس لئے نیک ہے کیونکہ انسان بہ اعتبار فطرت نیک ہے ۔ صوفی ہونے کے باعث شاہ ولی اللہ جابجا ملکی و بہیمی رجحانات کا تذکرہ کرتے ہیں ۔ ان کی اخلاقیات ملکیت کو ابھارنے اور بہیمیت کو کمزور کرنے پر زور دیا گیا ہے عام طور پر اسلامی مفکرین انسان میں دو رجحانات یعنی ملکیت اور بہیمیت پر یقین رکھتے ہیں ۔

---

[۳۶] قرآن مجید سورۃ الروم آیت ۳

[۳۷] صحیح بخاری و مسلم، کتاب الایمان، سیرت النبی ص ۶۸

غزالی انسان کے اندر چار قوتیں خیال کرتے ہیں یعنی شہوہ غضبیہ، شیطانیہ اور ربانیہ ۳۸؎ ان میں سے اول الذکر ۳ قویٰ کا تعلق بہیمیت اور آخر الذکر ایک کا تعلق ملکیت سے ہے اسی طرح اشراقی فلاسفہ بھی انسان کے اندر ان رجحانات کو تسلیم کرتے ہیں اور بہیمیت کے مکمل خاتمہ پر یقین رکھتے ہیں لیکن شاہ ولی اللہ بہیمیت کے خاتمہ پر نہیں کمزور کرنے پر زور دیتے ہیں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی فلسفیوں کے یہاں رجحانات کا موضوع یونانی فلاسفہ کے اثر کے تحت آیا ہے ارسطو انسان میں دو قسم کے رجحانات تسلیم کرتا ہے یعنی (۱) حیوانی اور (۲) عقلی رجحانات مسلم فلاسفہ عقلی رجحان پر نہیں ملکی رجحانات پر زور دیتے ہیں جو اول الذکر سے قدسیت کے سبب مختلف ہے لہٰذا اسلامی فلسفیوں نے قطعی طور پر یونانی تقلید نہیں کی بلکہ مذہبی روشنی کے مطابق انسان کے اندرون کا نورانی جز تلاش کیا شاہ ولی اللہ اس نورانی جز کو انسان کی فطرت سمجھتے ہیں اور اس کے عادی ہونے کو ہی صحیح اخلاق سمجھتے ہیں الحاصل شاہ ولی اللہ کی اخلاقیات اسلامی اور متصوفانہ ہے۔

۳۸؎ UMARUDDIN, M., THE ETHICAL PHILOSOPHY OF ALGHAZZALI, ALIGARH 1962 P. 62